R. No. 2186/57 — Regd. No. L. 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Date 1-8-15-22

Phone—29
Annual Rs. 5/-
per Copy-15 P.

جلد ۲۷، شمارہ ۱۹	ایڈیٹر: آل احمد سرور	۱۵ مئی ۱۹۶۸ء

اداریہ

لسانی اقلیتوں کے کمشنر کی آٹھویں رپورٹ

لسانی اقلیتوں کے کمشنر کی آٹھویں رپورٹ ایک خاصے وقفے کے بعد ۱۰ مئی کو پارلیمنٹ میں پیش ہوئی۔ دستور میں جب کمشنر کے تقرر کے لیے گنجائش نکالی گئی تھی تو یہ بات بھی واضح کر دی گئی تھی کہ صدر جمہوریہ اس رپورٹ کی روشنی میں وقتاً فوقتاً مناسب ہدایات جاری کریں گے۔

اس سے پہلے بھی کمشنر نے ریاستی حکومتوں کے تغافل کا رونا رویا ہے اور صاف صاف کہا ہے کہ یہ حکومتیں لسانی اقلیتوں کی شکایات پر پوری توجہ نہیں کرتیں، مگر آٹھویں رپورٹ میں اس بات پر خاص زور دیا گیا ہے۔ ابھی تک ہم نے پوری رپورٹ نہیں دیکھی لیکن اخباروں میں رپورٹ کے اس جملے کو نمایاں طور پر شائع کیا گیا ہے۔ رپورٹ پر سیر حاصل تبصرہ ہم بعد میں کریں گے لیکن اس وقت صدر جمہوریہ کو خاص طور پر توجہ دلانا ہے کہ دستوری ہدایات کے مطابق اور کمشنر کی سفارشات کی روشنی میں وہ ریاستی حکومتوں کو مناسب ہدایات وزارت داخلہ کی معرفت دیں۔ صورت یہ ہے کہ مادری زبان میں ابتدائی تعلیم کے متعلق دستور کی دفعہ ۳۵۰ الف کی رو سے ریاستی حکومتوں پر جو ذمہ داری عاید ہوتی ہے وہ انھوں نے اب تک پوری نہیں کی۔ ان کی کوشش کا کوئی واضح ثبوت اب تک نہیں ملا اور حد یہ ہے کہ لسانی اقلیتوں کے کمشنر نے بار بار انھیں توجہ دلائی مگر ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔ اسی طرح ثانوی تعلیم اور دوسرے امور کے متعلق بھی شمالی ہند کی ریاستی حکومتوں نے اپنے فرائض سے غفلت برتی ہے اور بعض جگہوں پر تو کچھ نہ کرنے کے لیے عجیب و غریب عذر بھی تراشے گئے ہیں۔ پارلیمنٹ میں جب بھی کمشنر کی رپورٹ پر بحث ہوتی ہے تو ممبروں کی بے اطمینانی کھل کر سامنے آئی ہے۔ اس لیے لسانی اقلیتوں کو مطمئن کرنے کے لیے اور پارلیمنٹ کے ممبروں کی خواہشات کے احترام میں صدر جمہوریہ کو اب مناسب اقدامات کرنے چاہئیں۔ اس سلسلے میں قانون کے اس بنیادی اصول کو ملحوظ رکھنا پڑے گا کہ حقیقی انصاف وہ ہے جو نہ صرف انصاف ہو بلکہ انصاف معلوم بھی ہو۔

آہ پرویز شاہدی

کلکتہ سے یہ اندوہناک خبر موصول ہوئی ہے کہ اردو کے مشہور شاعر اور معلم پرویز شاہدی کا ایک طویل علالت کے بعد انتقال ہو گیا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر چھپن سال کی تھی۔ پرویز شاہدی کے کلام کا ایک مجموعہ رقص حیات کے نام سے شائع ہو چکا ہے اور ایک دوسرا مجموعہ تثلیث حیات شائع ہونے والا تھا۔ پرویز شاہدی ایک اچھے شاعر، ایک تجربہ کار معلم اور ایک پر خلوص اور درد مند انسان تھے۔ وہ سچے ترقی پسند تھے۔ وہ کمیونسٹ خیالات رکھتے تھے مگر سیاسی داؤ پیچ کے آدمی نہ تھے۔ وہ بہار کے رہنے والے تھے مگر ان کی ساری عمر مغربی بنگال میں گزری تھی۔ افسوس ہے کہ دمہ کے موذی مرض نے اردو دنیا سے ایک اچھا شاعر اور ایک مخلص انسان چھین لیا۔ ابھی ان کے مرنے کے دن نہ تھے۔ اور ان سے اردو شعر و ادب کی بہت سی توقعات وابستہ تھیں۔ ادارہ ہماری زبان ان کی سوگوار بیگم اور بچوں سے اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔

پروفیسر بھلا: اردو دنیا اپنے بہت سے عاشقوں اور محسنوں سے واقف نہیں ہے۔ ایسے ہی ایک عاشق اور محسن پروفیسر ایم ایم بھلا تھے جو ایک طویل مدت تک سینٹ اسٹیفنس کالج دہلی میں انگریزی کے شعبے کے صدر رہے اور آخر میں راجستھان یونیورسٹی میں انگریزی کے پروفیسر اور شعبے کے صدر ہو گئے تھے۔ پروفیسر بھلا، پروفیسر ڈکنسن

پروفیسر احمد شاہ بخاری پطرس کے شاگرد تھے۔ ڈراما سے انھیں خاص شغف تھا جب تک وہ سینٹ اسٹیفنس کالج میں رہے ہر سال کسی مشہور مغربی ڈرامے کا اردو میں ترجمہ کرتے تھے اور اس کی اسٹیج کے لئے ہدایت کاری کا فرض بھی انجام دیتے تھے وہ انگریزی ادب پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے اور اردو سے انھیں عشق تھا ادب اور ڈراما پر مختلف ممتاز ادبی رسالوں میں برابر مضامین لکھتے رہتے تھے۔ مشہور یونانی المیہ نگار سافاکلیس (SOPHOCLES) کے کئی ڈراموں کو اردو میں منتقل کر چکے تھے۔ دلی سے ایک امتحان لینے کے لئے لکھنؤ روانہ ہوئے، مگر جب ریل لکھنؤ پہنچی تو مردہ پائے گئے۔ غالباً رات میں کسی وقت قلب کی حرکت بند ہو گئی۔ ترپن سال کی عمر میں انگریزی ادب کے اس فاضل اور اردو ادب کے اس فدائی اور محسن کا اچانک انتقال، پتھر کو بھی پانی کرنے کے لئے کافی ہے۔ افسوس ہے کہ اب پروفیسر بخاری جیسا رچا ہوا ادبی ذوق رکھنے والے اور اس ذوق سے اپنی زبانوں میں کیفیت پیدا کرنے والے کم ہوتے جا رہے ہیں۔

پنسلوں پر مرزا غالب کی تصویر

کراچی یکم مئی۔ ادارہ یادگار غالب کے ایک اعلان کے مطابق ایسی پنسلیں فروخت کے لئے جلد ہی بازار میں آجائیں گی جن پر مرزا غالب کی تصویر کندہ ہے۔ اعلان میں کہا گیا ہے کہ ابتدا میں مختلف رنگوں کی ایک لاکھ غالب پنسلیں بازار میں فروخت کے لئے آئیں گی۔ ان پنسلوں کی فروخت سے وہ کتابیں شائع کی جائیں گی جو شاعر کی سوویں سالگرہ سے متعلق ہیں۔ (سنگم)

لارڈ بائرن کی نظم کا نیلام

لندن۔ انگریزی کے ممتاز شاعر لارڈ بائرن کی مشہور نظم "دی پرزنر آف شیلون" کی دستخط شدہ ہاتھ سے لکھی ہوئی کاپی یہاں سوتھ بائی کے نیلام گھر میں ساڑھے تیرہ ہزار برطانوی پونڈ میں فروخت ہوئی لارڈ بائرن نے یہ نظم ۱۸۱۶ء میں خود لکھی تھی۔ (اجالا)

اخبارات کی مائیکروفلم لائبریری

لاہور۔ عنقریب حکومت پاکستان اخبارات کی ایک مائیکروفلم لائبریری قائم کرے گی۔ آزادی سے پہلے مغربی پاکستان میں جو اخبارات شائع ہوتے تھے ان کے فائلوں کی مائیکروفلمیں حاصل کر لی گئی ہیں۔ لائبریری میں پرانے مسودات، اسناد، زبان اور دوسری تاریخی دستاویزیں بھی رکھی جائیں گی۔ (ریاست)

اختر بستوی

قطعات

(۱)

دیکھ کر دہر کے گلشن میں غمِ زیست کے دام
صحبت گل سے کچھ اس طرح میں رہتا ہوں پرے
جیسے پنگھٹ پہ کھڑی گاؤں کی دوشیزہ کوئی
ڈر کے دھارے کی روانی سے نہ مشکیزہ بھرے

(۲)

آتشِ دل سے جلائی ہوں شمعوں کی قطار
نے کے آواز سے لپٹی ہوئی فریاد و فغاں
خونِ جذبات سے رنگیں، در و محراب و فصیل
تیرے کوچے میں جو پہنچا تو عجب سا تھا سماں

(۳)

دل کی مشعل لئے پھرتے رہے شہر در شہر دل
پھر بھی انسان کسی سمت نہ پائے یارو
کتنے کم فہم تھے ہم لوگ نہ سمجھے یہ بھی
ریگ زاروں میں کہیں ملتے ہیں سائے یارو

شورش کاشمیری گرفتار

نئی دہلی۔ لاہور کے ممتاز اردو ہفتہ وار "چٹان" کے ایڈیٹر اور ممتاز اخبار نویس مولانا شورش کاشمیری کو لاہور میں قانون دفاعِ پاکستان کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ مولانا شورش کاشمیری مشہور اور کہنہ مشق صحافی ہیں وہ مولانا ظفر علی خاں کی طرح قلم کے بہت شوخ اور بے باک ہیں۔ مولانا شورش کاشمیری پر فرقہ وارانہ جذبات ابھارنے حکومت اور فوج کے خلاف بے اطمینانی پھیلانے کا الزام حکومت نے لگایا ہے۔ (قومی آواز)

پرویز شاہدی کا انتقال

یہ خبر انتہائی رنج و الم کے ساتھ سنی جائے گی کہ ۵ رمئی کی شام کو پرویز شاہدی نے سفرِ آخرت اختیار کیا۔ مرحوم کو تنفس کی شکایت تھی چند ماہ سے کچھ اور تکلیفیں بھی پیدا ہو گئی تھیں۔ پرویز شاہدی کا پورا نام سید اکرام حسین تھا۔ ۱۹۱۰ء میں پٹنہ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی بعد میں میٹرک کلکتہ یونیورسٹی سے کیا اور بی۔ اے کا امتحان پٹنہ یونیورسٹی سے پاس کیا اردو و فارسی میں ایم اے اور بی۔ ایل بھی پٹنہ یونیورسٹی سے کیا۔ بی۔ ایل کرنے کے بعد ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۷ء تک مظفرپور میں رہے۔ ۱۹۴۸ء میں سریندر ناتھ کالج سے منسلک ہو گئے چند وجوہ کی بنا پر ملازمت ختم ہو گئی اور پھر بی۔ ایم۔ او ہائی اسکول سے وابستہ ہو گئے اور ۱۹۵۶ء میں [illegible] شعبہ پر فائز رہے ۱۹۵۸ء میں کلکتہ یونیورسٹی سے منسلک ہو گئے آخر حیات اسی سے منسلک رہے [illegible] ان کا مجموعہ کلام شائع ہو چکا ہے [illegible] ایم [illegible] ۵ رمئی کو آپ کا جسم [illegible]

ڈاکٹر ریاض الحسن

مرزا حسین بیگ جرّار لکھنوی

شیخ غلام ہمدانی مصحفی جیسے قابلِ فخر استاد کے شاگرد اور منشی امیر احمد امیر مینائی جیسے بلند پایہ شاعر کے باعثِ فخر استاد تدبیر الدولہ مدبر الملک منشی سید مظفر علی خاں اسیر لکھنوی کے لاتعداد شاگردوں میں مرزا حسین بیگ جرّار کا نام بہت اہم ہے[۱]۔ یہ صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ ان کا دیوان "دیوانِ جرّار" کے نام سے نولکشور پریس لکھنؤ سے ماہ جون ۱۸۸۵ء میں تیسری بار شائع ہوا[۲] جو راقم کے پیشِ نظر ہے۔ اسیر کے بڑے صاحبزادے سید جعفر علی خاں حکیم لکھنوی نے دیوان کے خاتمہ پر ایک طویل ۔۔ تقریظ لکھی ہے جو صفحہ ۱۱۶ پر درج ہے۔ اس میں جرّار کی شخصیت اور فن پر اجمالی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے علاوہ استاد اسیر، ان کے دونوں صاحبزادوں یعنی حکیم اور اخفش علی خاں اخفش اور محمد سجاد علی خاں صاحب بہادر اشرف جنگ فرزندِ ارجمند بہو بیگم صاحبہ عرف چھوٹی شہزادی دشاگردِ جناب اسیر کے قطعاتِ تاریخ بھی صفحہ ۱۱۹ پر درج ہیں جن سے جرّار کے متعلق ان حضرات کی رائے معلوم ہوتی ہے۔ حکیم کی مذکورہ بالا تقریظ کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں۔

"کلام بے مثال اور دیوان رشکِ متعالی شعرائے باتمکین و جاہ........ زبان پر اہلِ زبان قربان ہیں، بیان پر صاحبانِ بیان فدا بہ صد جان ہیں، تصنیف جناب جرّار فیض آبادی، شاعرِ بے نظیر ارشد تلامذہ جناب ملک الشعراء تدبیر الدولہ، مدبر الملک، منشی سید مظفر علی خاں صاحب بہادر، بہادر جنگ، المتخلص بہ اسیر...... بیان صفاتِ مصنف امرِ محال ہے، فی الحقیقت شاعرِ عدیم المثال ہے........ نام نامی ان کا حسین بیگ، قوم مرزا، تخلص جرّار تھا، فی الواقع شاعرِ یکتائے روزگار تھا...... جب سے کہ حضرت اسیر کی خدمت میں حاضر ہوئے رموزِ فن سے بخوبی ماہر ہوئے، جس مشاعرہ میں شعر گرم سنائے، بازارِ شعر سرد تھا، رخِ معاصرین خجالت سے زرد تھا، طبیعت نہایت عاشقانہ تھی، ہر غزل مطبوعِ طبائعِ اہلِ زمانہ تھی...... سالقہ طبیعت خداداد کے علم عربی و فارسی میں خوب استعداد تھی........ کلام میں سقم کا نام نہیں، عیوب کا کچھ کام نہیں۔ استاد سے نہایت الفت تھی۔ ادھر سے بھی کثرتِ شفقت و عنایت تھی۔"

زیرِ نظر دیوان بہ قولِ مصنف لقند اردو دوسرا دیوان ہے[۳]۔ مرض الموت میں مبتلا تھے کہ جرّار نے اپنے فرزندِ ارجمند کو یہ دیوان دیا اور وصیت کی کہ وہ خود اسے لے کر استاد اسیر کی خدمت میں حاضر ہوں، چنانچہ وصیت پر عمل ہوا اور باوجود عدیم الفرصتی کے استاد اسیر نے اپنے عزیز شاگرد (جرّار) کی وصیت کا احترام کرتے ہوئے اس پر نظرِ ثانی کی اور خود ہی موجودہ صورت میں ترتیب دیا، گویا یہ "دیوانِ جرّار" اسیر کا منتخب کردہ دیوان ہے۔

دیوان میں چند قطعاتِ تاریخ درج ہیں جو حسبِ ذیل ہیں۔

(قطعۂ تاریخ از سید محمد جعفر علی خاں حکیم)

چو دیوانِ جرّار مطبوع گشت　　خوشا ثمرۂ انتخابِ اسیر
پئے سالِ طبعش نوشتم حکیم　　زہے دانۂ فیضِ جنابِ اسیر

۱۲۹۰ھ

(قطعۂ تاریخ نواب نامدار شاعر عدیم النظیر نواب اشرف الدولہ محمد سجاد علی خاں صاحب بہادر، اشرف جنگ فرزندِ ارجمند نواب ملکۂ دوراں افسر بہو بیگم صاحبہ عرف چھوٹی شہزادی۔

شاگرد جناب اسیر

نام نیکش شہیر جرّار بود　　طبع گردیدہ کلامش بے نظیر
بہرِ تاریخش چو سلطاں کرد فکر　　ہاتفے گفتہ ز ترتیبِ اسیر

(۱۲۹۰ھ)

(قطعۂ تاریخ نتیجۂ طبع رشکِ قدسی ذخیر سید مظفر علی خاں صاحب اسیر)

واہ کیا دیوان ہے جرّار کا　　تھا مرا شاگرد میرا ہم زباں
طبع کی تاریخ ہے یہ اے اسیر　　ہے یہ دیوان بوستانِ بے خزاں

(۱۲۹۰ھ)

مندرجہ بالا بیانات اور قطعات کو پیشِ نظر رکھ کر یہ رائے قائم کی جا سکتی ہے کہ جرّار کو اسیر کے شاگردوں میں ایک خاص جگہ حاصل تھی۔ تھوڑی دیر کے لئے ان بیانات کو معاصروں کے بیانات اور قطعاتِ تاریخ کو اہلِ طبع کے پروپیگنڈہ کے مترادف سمجھ کر

---

۱ "بزمِ سخن" صفحہ ۳۰ پر جرّار کے متعلق یہ الفاظ درج ہیں "میر محمد حسین تلمیذ اسیر ازراہ لکھنؤ است و شاعر خوش گو"۔ "تذکرۂ نادر" صفحہ ۱۵ پر جرّار کی غزل درج ہے جس پر ان کا نام میر محمد حسین جرّار درج ہے لیکن حکیم کی مندرجہ تقریظ جو اس دیوان کے صفحہ ۱۱۶ پر درج ہے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ میر پابند نہ تھے بلکہ قوم مرزا سے ان کا تعلق ظاہر ہوتا ہے۔ "دیوانِ گلدستۂ شاعرہ" جلد ۱۱ نمبر ۲ مطبوعہ ۱۸۷۰ء میں صفحہ ۱۰ پر نام "مرزا حسین بیگ متخلص بہ جرّار شاگرد اسیر" درج ہے۔ — راقم

۲ اس کے پہلے دو ایڈیشن کب اور کہاں سے شائع ہوئے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ — راقم

۳ "دیوانِ جرّار" صفحہ ۱۱۸ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۸۵ء

ان سب دعووں کو گرہ دو، رہنا نہیں سمجھ لیجئے اور خود جرار کے کلام کے اندرونی شواہد کی روشنی میں ان کا صحیح درجہ متعین کرنے کی کوشش کیجئے۔

ان کے فن شاعری میں استاد کا رنگ بہت نمایاں ہے۔ امیر کی شاگردی پر انھیں حد درجہ ناز تھا اور خود استاد امیر کو شاگرد پر بڑا فخر تھا۔ زبان اور انداز بیان خالص لکھنوی ہے۔ لکھنؤ کا مذاق اور معیار شعر امیر اور ان کے اکثر شاگردوں اور ان کے سلسلہ کے دوسرے شعراء کے یہاں پہونچ کر چیزے دگر بن گیا۔ اس میں نزاکت بھی ہے اور سادگی بھی، سلاست بھی ہے، اور روانی بھی، انصاف بھی ہے اور بلاغت بھی۔ الغرض شاعر ... کو چونکا دینے کا کافی سامان موجود ہے۔ یہ لوگ مذاق عام کے نمائندے بھی ہیں اور اپنے اپنے منفرد رنگ میں اپنی نظیر آپ۔ جرار کی غزلوں میں تصوف، فلسفہ، بے ثباتی دنیا، خودداری اور استغنا کے مضامین بکثرت ہیں۔ ... مضامین ... کے قریب جا پہنچتے ہیں مختصر یہ کہ جرار کے کلام میں ایک نہیں ہزار رنگ کے جلوے نظر آتے ہیں کبھی وہ شاعر شیریں گفتار ہیں کبھی اخلاق و موعظت کا ایک مجسمہ کبھی رندان بے سمت، ساقی اُن کا تیر کرنے ... تو کبھی گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر عالم تفکر میں ڈوب جاتے ہیں کبھی انھیں اپنی کوتاہیوں کا خیال آتا ہے تو توبہ و استغفار کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور کبھی اپنی صلاحیتوں اور استاد امیر کی لیاقتوں کا ... رطب اللسان ہوتے ہیں بس یوں سمجھنا چاہیے کہ ابن آدم اور ... کے خیالات و جذبات اور ان کے آثار چڑھاؤ کی ایک مکمل تصویر اور ایک جیتا جاگتا مرقع پیش کرکے جرار نے اپنا مقام خود بنانے اور ... متعین کرنے کی بہت کامیاب کوشش کی ہے بحیثیت انسان جرار اپنی نظر میں خود کیا تھے یہ انھیں کے الفاظ میں سنیے ؎

گذشتہ بزم احبا کی یادگاروں میں
خزاں رسیدہ ہوں افسانۂ بہاروں میں
کسی کو رنگ دکھایا نہ میری بولی نے
بہار لالۂ صحرا ہوں مرغزاروں میں
رکوں تو خانۂ ہستی گراؤں صورت سیل
کھنچوں تو جوہر شمشیر آبداروں میں
خوشی نہیں ہے، ہنسائی ہے مجھ کو بے خبری
تبسم لب اطفال شیر خواروں میں

شاعر کی حیثیت سے جرار کو جو فیض استاد امیر سے پہونچا ہے اس کا ذکر ان کے اشعار میں بار بار آتا ہے پھر بھی زمانہ کی ناقدری نے جرار کو انسانہ بنا دیا مگر وہ اچھے بچے یار رہے ان کا ماتم انسانوں سے زیادہ گلشا ... نے کیا اور لوگوں نے یہ محسوس کیا کہ ان کے آنے سے رونق سخن دونی ہو گئی۔ فرماتے ہیں ؎

جرار گلا چھیر دی حضرت امیر درد از سے بلبل یہ گھل گئے تو ہم کے

ذرّۂ بے قدر کو خورشید نے جوہر کیا[1] کیوں نہ ہوں جرار صدقے حضرت استاد کے

اپنے کلام کی رنگا رنگی اور مضامین کے تنوع پر جرار خود نازاں ہیں ؎

گیسو پر کھولے بو قلموں ہے مرا کلام[2]
لاکھوں ہیں رنگ شیشۂ دل میں بھرے ہوئے
گیسو نزاکت ہائے ... کیسہ گہر
ہیں اس میں سیکڑوں ... مضموں بھرے ہوئے

عام لکھنوی رنگ سخن کے اشعار جرار کے کلام میں بکثرت موجود ہیں مگر ان کو حسن کاریگ طرز ... دینے سے قبل ان کے وہ اشعار بھی پڑھ لینا ضروری ہیں جن میں جرار ایک صوفی صافی، درویش مست، دانا حکیم، فلسفی اور حد درجہ تجربہ کار اور جہاں دیدہ انسان بن کر سامنے آتے ہیں۔ لکھنوی رنگ کے چند اشعار پہلے ملاحظہ ہوں ؎

برسوں ہی ہونٹ چاٹے لذت ہوئی یہ حاصل[3]
بوسہ لیا جو اک دن اس کے لب و دہن کا

وہ ہنس کے کہتے ہیں دار و مدار بوسوں کی[4]
یہ لین دین وہ ہے جس کا کچھ حساب نہیں

گلے سے لپٹ جاتے ہیں اے غیرت ماہ[5]
دل کو آتا نہیں یاد میں جرار آنے کی رات

مندرجہ بالا اشعار میں لکھنؤ کے بگڑے ہوئے مذاق عام کی ترجمانی صاف نمایاں ہے۔ اب وہ اشعار سنئے جو جرار کے مخصوص رنگ اور استاد امیر کی اصلاح کے غماز ہیں ؎

محیط عشق کا روز ازل سے آشنا ہوں میں[6]
وہ قطرہ ہوں کہ دریائے حقیقت کا حباب ہوں میں

عجز سے پائیں گے مرتبہ عنایتی اللہ کا[7]
قد الف سا جھک کے بن جائے گا لام اللہ کا

(باقی آئندہ)

---

[1] دیوان جرار، مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ ماہ جون ۱۸۸۵ء صفحہ ۵۹۔

[2] "دیوان جرار" صفحہ ۹۹
[3] " " " ۹۵
[4] " " " ۱۱۰
[5] " " " ۷
[6] " " " ۵۸
[7] " " " ۲۹
[8] " " " ۴۳
[9] " " " ۶

خلیل الرحمٰن اعظمی

رفتار

ادبی حلقوں میں یہ خبر انتہائی رنج و افسوس کے ساتھ سنی گئی کہ ۵ مئی کی شام کو اردو کے ممتاز شاعر پرویز شاہدی کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پرویز شاہدی اگرچہ ایک عرصے سے کلکتہ میں مقیم تھے اور وہاں کی ادبی و تہذیبی زندگی میں انھیں ایک نمایاں حیثیت حاصل تھی مگر اصل میں وہ صوبہ بہار کے رہنے والے تھے۔ دبستان عظیم آباد نے دور حاضر میں تین ایسے باکمال شاعر پیدا کیے جن کی سخنوری کا اعتراف پوری اردو دنیا میں کیا گیا ہے، یہ شاعر ہیں جمیل مظہری، اجتبیٰ رضوی اور پرویز شاہدی۔ یہ تینوں شعراء اقبال اور جوش کے طرز گفتار سے بے انتہا متاثر ہونے کے باوجود اپنی انفرادیت رکھتے ہیں۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ یہ تینوں شاعر شاد عظیم آبادی کی ادبی روایات کے سائے میں ہوش سنبھالتے ہیں لیکن ان کے ادبی جوہر پہ جلا ہوئی ٹیگور اور نذرالاسلام کی سرزمین پر۔ بنگال کی رومانیت، غنائیت اور انقلابیت کو آمیز کر کے ان شعراء نے اردو کی نظم اور غزل کو ایک نیا لہجہ دینے کی کوشش کی ہے جس کا بھرپور اعتراف ابھی نہیں کیا گیا ہے۔

پرویز شاہدی کی عمر اس وقت تک لگ بھگ پچپن سال تھی۔ ان کی شاعری کا آغاز ۱۹۳۰ء کے قریب ہوا۔ ان کی نظمیں اور غزلیں ابتدا میں بہار اور بنگال کے اخبارات و رسائل میں شائع ہوئیں۔ میرے دوست ڈاکٹر مختار الدین آرزو بتاتے ہیں کہ انھوں نے اپنے زمانۂ طالب علمی میں پٹنہ اور گرد و نواح کے مشاعروں میں پرویز شاہدی کی غیر معمولی مقبولیت دیکھی ہے۔ ان کی شخصیت میں بھی ایک عجیب مردانہ سرمستی اور بانکپن تھا۔ وہ ایک مخلص انسان تھے اور ان کے دل میں قوم و ملک اور انسانیت کے لیے قربانی اور سرفروشی کا جذبہ تھا یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے شاعرانہ لاابالی پن کے باوجود بنگال کی سیاسی سرگرمیوں میں عملی حصہ لینے پر مجبور ہوئے اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔

پرویز شاہدی کے نام سے میں پہلے پہل اس زمانے میں واقف ہوا جب میں اسکول کی جماعتوں کا طالب علم تھا۔ اس زمانے میں پرویز کلکتہ سے "جدید اردو" کے نام سے ایک ماہوار ادبی رسالہ نکالتے تھے میرے ایک عزیز عبدالرحمٰن ناصر جو اس زمانے میں میرے ادبی رہنما تھے اس رسالے کے مستقل قلمی معاونین میں تھے اور ان کے مضامین، اور افسانے اور ترجمے "جدید اردو" میں پابندی سے چھپا کرتے تھے غالباً اسی زمانے میں پرویز کی بعض نظمیں جوش ملیح آبادی کے رسالہ کلیم میں بھی پڑھی تھیں جو دہلی سے نکلا کرتا تھا۔

۱۹۵۰ء میں جب میں علی گڑھ یونیورسٹی کا طالب علم اور یہاں کی انجمن ترقی پسند مصنفین کا سکریٹری تھا ایک امن کانفرنس میں شریک ہونے کے لیے کلکتہ گیا۔ اس کانفرنس سے متعلق جو ان اور بہت سے تاثرات ابھی تک ذہن میں محفوظ رہ گئے ہیں وہاں ایک تاثر یہ بھی ہے کہ پرویز شاہدی اس زمانے میں جیل گئے تھے لیکن ان کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی کا یہ عالم تھا کہ وہاں کا ہر ادیب، شاعر اور سیاسی کارکن ان کا ہی ذکر کرتا تھا اور کانفرنس کے ہر اجلاس کے شروع میں پرویز کی کوئی نہ کوئی نظم یا غزل پڑھ کر سنائی جاتی اور پورے مجمع میں جوش و خروش کی ایک لہر دوڑ جاتی۔

پرویز شاہدی سرتاپا شاعر تھے۔ ترقی پسند تحریک سے ان کی وابستگی کسی فیشن کے ماتحت یا حصول شہرت کی خاطر نہ تھی۔ انھوں نے اشتراکی عقائد کو بہت سوچ سمجھ کر اپنایا تھا اور آخر عمر تک یہ عقیدہ ان کی رگ و پے میں سرایت رہا لیکن انتہا پسندی اور کٹرپن ان کے مسلک میں شامل نہ تھا خاص طور پر شعر و ادب کے معاملے میں ان کے یہاں ایک لچک اور رواداری بھی تھی اس کا اندازہ مجھے اسی وقت ہوا جب ذاتی طور پر مجھے ان سے ملنے کے بعض مواقع حاصل ہوئے۔

پرویز شاہدی سے میری پہلی ملاقات ۵۹ء میں ہوئی جب وہ علی گڑھ کے ایک مشاعرے میں شریک ہونے کے لیے یہاں تشریف لائے تھے۔ غالباً ڈیڑھ سال بعد ممبئی میں "جشن شاعر" منایا گیا۔ اس جشن میں شرکت کے لیے میں بھی گیا تھا، کلکتے سے پرویز آئے تھے۔ مجالس جلس میں میرے علاوہ جو اور شعراء ٹھہرائے

اختر نظمی

غزل

یوں تو ہم زمانے میں، کم کسی سے ملتے ہیں
آپ سے نہ ملنا تھا، آپ ہی سے ملتے ہیں
راستے میں بیٹھے ہیں، منزل دل کو ٹھکرا کر
خضر ہم نہیں لیکن خضر ہی سے ملتے ہیں
آرزو کی راہوں میں دوسرا نہیں کوئی
آپ سے جدا ہو کر، آپ ہی سے ملتے ہیں
کیا ہوا زمانہ کو، کیوں بدل گئی دنیا
لوگ جانے پہچانے، اجنبی سے ملتے ہیں
اس گلی میں کیا جائیں، کون ہے وہاں نظمی
راستے تمنا کے جس گلی سے ملتے ہیں

گئے تھے ان میں مخدوم محی الدین، شاہد صدیقی مرحوم، کنول پرشاد کنول اور سلام مچھلی شہری۔ تھے میں اور پرویز جلسے سے ایک روز قبل پہنچ گئے تھے۔ اس موقع پر مرحوم سے بہت کھل کر ملاقات رہی اور بہت سے ادبی مسائل پر تبادلۂ خیال کا موقع ملا۔ وہ اس زمانے میں کمیونسٹ پارٹی کی اندرونی سیاست سے کچھ بیزار تھے اور عملی سیاست سے تقریباً کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اور عثمانیہ یونیورسٹی میں اردو کے استاد کی حیثیت سے کام کر رہے تھے مگر ادب کے ترقی پسند نظریے کے سلسلے میں ان کے خیالات میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی تھی۔ جشن شاعر کے مشاعرے کے بعد ہم سب سے رخصت ہونے کا پروگرام بنایا، مخدوم، شاہد صدیقی اور کنول پرشاد کے علاوہ عزیز قیسی اور جیسی کے بعض اور نوجوان شعراء بھی اس محفل میں شریک تھے۔ خوب ہنسی مذاق، لطیفہ گوئی، ادبی بحثیں اور شعر خوانی کے دور چلتے رہے۔ پرویز نے بہت سی نظمیں سنائیں۔ اسی دوران میں میں نے اپنی ایک پسندیدہ غزل کی فرمائش کر دی۔ اس غزل کا ذکر آتے ہی پرویز پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی اور جس موڈ میں انھوں نے ترنم کے ساتھ وہ غزل سنائی وہ سماں ابتک آنکھوں میں پھر رہا ہے۔ وہ غزل یہ ہے:

وقت پاس بھی تیری نظر نے نہ دیا
شرط جینے کی لگا دی مجھے مرنے نہ دیا
اس رفاقت پہ فدا میری پریشاں حالی
اپنی زلفوں کو کبھی تو نے سنور نے نہ دیا
تیری مخمور نگاہوں کے تصدق کہ مجھے
عرشِ ہستی کی بلندی سے اترنے نہ دیا
میں نے دیکھا ہے ترے حسن خود آگاہ کا عجب
اپنی نظروں کو بھی چہرے پہ بکھرنے نہ دیا
حسنِ ہمدرد ترا ہم سفرِ شوق رہا
مجھ کو تنہا کسی منزل سے گزرنے نہ دیا
کتنی خوش ذوق ہے تیری نگہ بادہ فروش
خالی رہنے دیا جام کو بھرنے نہ دیا

میں نے اس غزل پر رائے دیتے ہوئے کہا کہ پرویز صاحب میرے نزدیک آپ کی شاعری کا اصل مزاج اس غزل میں ظاہر ہوا ہے۔ آپ اگر ہنگامی کو سلام جیسی خالص سیاسی اور وقتی نظموں کے بجائے اس انداز کی بہیں بحسیں غزلیں اور لکھ دیں تو اردو غزل کے سرمائے میں آپ کے ہاتھوں ایک قیمتی اضافہ ہو سکتا ہے۔ وہ محبت سے لپٹ گئے اور کہا کہ اپنی شاعری کے بارے میں اس طرح کی رائے پہلی بار سن رہا ہوں۔ کتنے لکھنے کی سیاسی زندگی نے میری حیثیت کچھ ایسی بنا دی ہے کہ مجھے تعریف و تحسین سننے کو بہت ملتی ہے لیکن دوستانہ تنقید سے میں اب تک محروم رہا ہوں۔ میں تمہاری رائے کی بہت قدر کرتا ہوں

پرویز سے میری تیسری اور آخری ملاقات اس سے ایک سال بعد دہلی میں ہوئی جب ہم دونوں آل انڈیا ریڈیو کے ایک مشاعرے میں شریک ہونے کے لئے وہاں پہنچے تھے۔ مشاعرے کے دوسرے روز شمس الرحمٰن فاروقی نے اپنے یہاں ایک بے تکلف نشست کی تھی جس میں میرے اور پرویز کے علاوہ وحید اختر، شاذ تمکنت، احسن نعیم، زبیر رضوی اور بعض دوسرے احباب تھے۔ اس محفل میں بھی پرویز کی بہت سی نظمیں اور غزلیں سنی گئیں۔ میں نے پھر ایک بار اپنی اس پسندیدہ غزل کی فرمائش کی تو مسکرائے اور بڑے موڈ میں آکر غزل سنائی۔ اس پر لطف صحبت کی یاد اب بھی آتی ہے۔ پرویز کے انتقال کی خبر سنی تو دیر تک ان ملاقاتوں کے تاثرات دل کے پردے پر ابھرتے اور مٹتے رہے اور یہ سوچتا رہا کہ کتنا اچھا شاعر اور کتنا اچھا انسان ہم سے جدا ہو گیا۔

پرویز شاہدی جیسے اچھے شاعر تھے اور جتنی مقبولیت انھیں حاصل تھی اس اعتبار سے ان کے کلام کی اشاعت خاطر خواہ نہ ہو سکی بعض وجوہ کی بنا پر وہ لاہور کے اہم ادبی رسائل سے الگ رہے ترقی پسند ادیبوں کے اہم آرگن نیا ادب غالباً ان کی مناسب پذیرائی نہیں کی اس لئے ادبی جائزے ان کے نام سے خالی ہوتے تھے البتہ ۱۹۴۹ء، ۱۹۵۰ء کے لگ بھگ "شاہراہ" کے ذریعہ ان کا بہت سا کلام منظر عام پر آیا۔ شاہراہ والوں نے ۱۹۵۷ء میں ان کا مجموعہ کلام "رقص حیات" شائع کیا تھا۔ اس مجموعے میں پرویز نے اپنا ابتدائی رومانی کلام شامل نہیں کیا تھا بلکہ سیاسی اور ترقی پسندانہ نظموں کو زیادہ اہمیت دی تھی۔ یہ وہ زمانہ ہے جب ترقی پسند تحریک انتشار و اضمحلال کا شکار ہو چکی تھی اور اس کے خلاف نئی نسل میں ایک رد عمل پیدا ہو چکا تھا اس لئے پرویز کے اس مجموعے کو وہ جگہ نہ مل سکی جس کے وہ مستحق تھے۔

ادھر پچھلے چند برسوں میں پرویز کی شاعری میں چند خوشگوار تبدیلیاں آئی تھیں خاص طور پر ان کی نظم "بے چہرگی" میں موجودہ دور کا کرب جس خوبصورت شاعرانہ انداز میں ابھرا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پرویز کو اپنا اصل راستہ مل گیا ہے۔ اس نظم میں جو بالواسطہ طریق کار اور علامتی انداز اختیار کیا گیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پرویز کا ذہن کس قدر متحرک اور زندہ تھا اور انھوں نے نئے شعری مزاج کو کس سلیقے کے ساتھ اپنی انفرادیت کو برقرار رکھتے ہوئے قبول کیا تھا۔ ان کی نئی غزلوں پر بھی لہجے کی اس تبدیلی کا اثر دیکھا جا سکتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کے لہجے پر ایک نئی دھار آ گئی ہے۔ پچھلے دنوں کی ایک غزل کے چند شعر سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

جلتے رہنا کام ہے دل کا، بجھ جانے سے حاصل کیا
اپنی آگ کے ایندھن میں ہم ایندھن کا مستقبل کیا

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

ور اصلاحات

سیماب، جگر، اور داغ

"ہماری زبان" کے ۸ مارچ ۱۹۶۸ء کے شمارے میں دیرینہ رشاد سکینہ صاحب نے اپنے جوابی مضمون میں تحریر فرمایا ہے کہ جگر مرادآبادی کے کسی عقیدت مند نے ... نہیں کیا البتہ ... سیماب کے شاگردوں نے ہماری زبان ... ان کا ایک تانتا باندھ دیا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مولانا سیماب ... داغ کے ایک شاگرد تھے۔ اس سلسلے میں مناظر عاشق ہرگانوی، ظفر الاسلام ظفر اور شعاع گوالیاری کے مضامین ... زبان میں شائع ہو چکے ہیں۔

سکینہ صاحب کو معلوم ہونا ... کہ میں علامہ سیماب مرحوم کا شاگرد نہیں ہوں۔ نہ کبھی میں نے سیماب سے مراسلت کی اور نہ کبھی علامہ اکبرآبادی سے ملنے کا شرف حاصل کیا۔ میں تو رنگ برنگے پھولوں کا شیدائی ہوں اور ہر خوشنما پھول کی پتی کو کھول کر دیکھتے سونگھنے اور اپنی نظر اور اپنے ذہن کو معطر کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور جب تک میری سیری نہیں ہو جاتی میں متوالا بنا رہتا ہوں۔ بہت سارے پھولوں کے بارے پر میں نے مضامین لکھے ہیں اور اب بھی لکھے جا رہا ہوں۔ ان ہی مالیوں میں باغ اردو کے ایک مالی عاشق حسین سیماب اکبرآبادی بھی ہیں۔

آگے چل کر سکینہ صاحب نے علامہ سیماب کی کتاب "دستور الاصلاح" کے بارے میں لکھا ہے کہ "اس کتاب نے ملک میں ایک ادبی ہنگامہ برپا کر دیا تھا"۔

لیکن اس کتاب نے جتنی مقبولیت حاصل کی اس کے پیش نظر ہنگامہ کا لفظ کھٹکتا ہے۔ اگر ایک صاحب نے اسے ناپسند کیا ہے تو سیکڑوں قابل ذکر حضرات نے اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے جس کے مطالعے کے بعد کتاب کی اہمیت کا اعتراف کرنا ہی پڑتا ہے۔ ایک آدمی کے شور مچانے کو ہنگامہ نہیں کہا جا سکتا۔ "دستور الاصلاح" سے متعلق حضرت فانی بدایونی رقمطراز ہیں:

"حضرت مولانا سیماب اکبرآبادی کی تازہ تصنیف "دستور الاصلاح" میری نظر سے گزری۔ موصوف نے اس بیش بہا تصنیف سے دنیائے ادب کی ایک اہم ضرورت پوری کی ہے۔ یہ کتاب صرف تلامذہ ہی کی حد تک ... استفادہ نہیں بلکہ اساتذہ فن کے لئے بھی ... حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب جہاں ... کا ایک دلچسپ ذخیرہ ہے اور جہاں ... اصلاح لینے والوں کے لئے مشعل ہدایت ہے وہاں ان شعراء کو جو ابھی شاگردی کی منزل سے نہیں گزرے اساتذہ کے انتخاب ... کرنے کا ایک قابل قدر وسیلہ ہے۔"

پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی تحریر فرماتے ہیں:

"آپ نے یہ کتاب شائع فرما کر ہماری شاعری پر بے حد احسان کیا ہے۔ استادوں کی مختلف اصلاحات کا مجموعہ ... اگرچہ ایک پہلے سے موجود تھا ... کی بجائے ... اہم ہو گئی ہے ... ہے ... جو نظام عمل ... ہیں۔ ان ... کی زندگی ... تمام ہو رہی ہے ... اس سے متعلق آپ کی بعض ... اصلاح پر جو ... نوٹ ہیں وہ ... اصلاح ... ہیں ... کتاب کی ... اور خیر ... دونوں ... ادب۔"

مولانا ... بدایونی کی رائے ملاحظہ فرمائیے:

"یہ تصنیف مولانا سیماب کی ... ادبی خدمات کے نمایاں سلسلے کی ایک سنہری کڑی ہے جس میں اصلاح کی ضرورت و اہمیت اور اس کے طریقوں سے روشناس کرنے کے لئے کافی محنت اور تلاش سے کام لیا ہے۔ اصلاح کے مختلف نمونوں، اصولی توضیح اور موازنۂ اصلاح کا مطالعہ ان تمام ضرورتوں کو پورا کر دیتا ہے جس کے لئے بہت سی کتابوں کی ورق گردانی اور بہت سا وقت صرف کرنے کی ضرورت ہے۔"

"دستور الاصلاح" سے متعلق مزید آراء "الوارث" بمبئی کے سیماب نمبر میں مل جاتے ہیں۔

"اصلاح الاصلاح" میں سیماب کے داغ کے شاگرد ہونے سے متعلق جو بھی حوالہ درج ہے وہ سنا سنایا ہے۔ تحریری طور پر نہ ہونے کی وجہ سے اس کی اہمیت نہیں کے برابر ہے۔ اور جہاں تک سیماب کا داغ کا شاگرد ہونے کا تعلق ہے اس ۸ جنوری ۶۸ء کے "ہماری زبان" میں ثبوت دے چکا ہوں۔ مزید ثبوت کے لئے "الوارث" بمبئی کا "سیماب نمبر" ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ نیز علامہ سیماب کا دیوان خوبصورت بنا عرفت آئینہ دیکھا جا سکتا ہے جس میں داغ کے دو دیوان گلزار داغ اور آفتاب داغ میں جتنے اشعار متعلق "آئینہ" آئے ہیں یا ان سب کو دونوں دیوانوں کے جن اشعار میں لفظ "آئینہ" آیا ہے اسے تمام و کمال فرداً فرداً موقع کے ساتھ علامہ سیماب نے بیان کر دیا ہے۔

سکینہ صاحب کو شکایت ہے کہ کسی عقیدت مند نے

جگر مراد آبادی کی داغ سے شاگردی سے متعلق کچھ نہیں لکھا ہے۔ میں خود جگر کی شاگردی کی تفصیل نہیں بتا سکتا کہ آیا وہ داغ کے شاگرد تھے یا نہیں۔ لیکن یہ انکشاف ضرور کرنا چاہتا ہوں کہ جگر مراد آبادی علامہ سیماب کے شاگرد تھے اور ڈیڑھ سال تک سیماب سے مشورہ لیتے رہے تھے۔" الوارث کے سیماب نمبر میں صبا متھراوی فاضل ادیب اپنے مضمون "سیماب کی قوت اصلاح" میں رقمطراز ہیں۔

"جگر مراد آبادی جن کے گرم تغزل سے آج ہندوستان کا گوشہ گوشہ مہک رہا ہے۔ کسی زمانہ میں مسلسل ڈیڑھ سال علامہ سیماب کے مشوروں سے مستفید ہوتے رہے ہیں ان کے اسی زمانہ کی ایک غزل پیش کرتا ہوں جس پر انھوں نے علامہ سیماب سے اصلاح لی ہے۔ یہ غزل خاص حضرت جگر کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے اور اس کا عکس تحریر لیکر "شاعر" آگرہ مارچ ۱۹۴۳ء میں شائع ہوئی"

مذکورہ غزل جداگانہ ہے، بن آئی ہے، خود نمائی ہے، رسائی ہے، نارسائی ہے وغیرہ وغیرہ قافیہ ردیف میں ہے۔

(مناظر عاشق ہرگانوی)

یہ غزل کس کی ہے

۸ فروری ۶۸ء کے شمارہ میں ایک مراسلہ بعنوان "ایک دعوت فکر" شائع ہوا تھا جس کا جواب ۸ مارچ ۶۸ء کے شمارہ میں ایک مراسلہ بعنوان "نثار احمد صدیقی" کے مراسلہ کے بارے میں" شائع ہوا ہے۔ مراسلہ نگار نے تحریر کیا ہے کہ "۱۹۶۶ء میں ایشیاٹک سوسائٹی کے قلمی نسخوں میں ایک نسخہ "صد سخن" موجود تھا اس میں "ہو نہ ہو" آرزو نہ ہو" کی ردیف و قافیہ میں ایک سو غزلیں نقل ہیں۔ غالباً یہ کسی مشاعرہ کی روداد ہے۔ ہر صفحہ پہ یہی غزل ناظم کے تخلص سے موجود ہے مگر مقطع میں تھوڑا سا تفاوت ہے۔ "ہر جستجو عبث جو تری جستجو نہ ہو" کی جگہ "وہ جستجو نہیں جو تری جستجو نہ ہو" لکھا ہوا ہے۔"

تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ "غزل غالب کی ہے یا ناظم کی۔؟ کیونکہ مراسلہ نگار نے آگے تحریر کیا ہے کہ" یہ غزل غالب کی تھی جو کسی مصلحت کی بنا پر مقطع میں غالب کی جگہ ناظم کر دیا گیا"۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ غزل ناظم ہی کی ہو اور لوگ غالب سے منسوب کر رہے ہوں۔ مراسلہ نگار اپنے استدلال کے سلسلہ میں ایسے مستند حضرات کے نام پیش کریں جنھوں نے "صد سخن" دیکھا ہو۔ تب ہی کوئی ٹھوس قدم اٹھایا جا سکتا ہے۔!

(نثار احمد صدیقی)

لفظ ڈائجسٹ

امریکہ کی مطبوعہ ڈکشنری میں لفظ ڈائجسٹ کے کئی معنی ہیں اور مترادف الفاظ جن کی فہرست منسلک ہے۔ امریکن صحافت نے اس لفظ کے مخصوص معنی قرار دے کر اس کو ایک اصطلاح بنا دیا ہے۔ اس لحاظ سے اردو میں اس کا انھیں معنوں میں استعمال کوئی قباحت نہیں رکھتا خصوصاً جب کہ اس کے تلفظ میں کوئی مشکل نہیں ہے۔

اب رہا اردو میں اس کا بدل تو ہماری زبان میں اس کا مطلب ادا کرنے کے لئے کئی الفاظ موجود ہیں۔ خلاصہ، ملخص، تلخیص، انتخابات، مجموعہ، لب لباب وغیرہ۔

مشاعروں کے بعد منتخبہ کلام کا گلدستہ شایع ہوا کرتا تھا یہ لفظ بھی ڈائجسٹ کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ڈائجسٹ میں زیادہ تر نثر کا حصہ ہوتا ہے تو اس کو گلچیں کیوں نہ کہا جائے؟ نچوڑ سے بھی مطلب ادا ہوتا ہے لیکن ثقیل چھچھورا اور رکیک معلوم ہوتا ہے۔

(سجاد مرزا)

مولانا ابوالکلام آزاد پر مضامین

ایک زیر ترتیب مجموعہ کے لئے ایسے مضامین و مقالات درکار ہیں جو مولانا ابوالکلام آزاد کی زندگی کے کسی پہلو سے متعلق لکھے گئے ہیں نیز یہ مضامین پہلے کسی مجموعہ میں شریک نہ کئے گئے ہوں۔ مقالات کسی بھی زبان میں قبول کئے جائیں گے۔

مضامین اس پتہ پر ارسال کریں۔

رفعت حسینی۔ اے۔ ڈی۔ پال برادرس
جمشید پور (بہار)

ایک گزارش

(۱) مجھے مرزا غالب کی زندگی پر ڈرامہ تحریر کرنے کے سلسلے میں اس ڈومنی کے حالات درکار ہیں جن کا ذکر مرزا غالب نے مرزا حاتم علی بیگ مہر کے خط میں اشارتاً کیا ہے۔

(۲) منشی پریم چند کے ناول گئو دان پر مکمل تبصرہ کرنے کے سلسلے میں میں جاننا چاہتا ہوں کہ جب گئو دان تصنیف کی گئی تو منشی صاحب کہاں مقیم تھے اور کیا کام کرتے تھے۔

جو صاحبان براہ راست یا بذریعہ ہماری زبان مجھے یہ معلومات فراہم کر سکیں میں ان کا احسان مند ہونگا۔

قربان
ڈی۔ اے۔ میر حسین قربان
ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی ریلوے
کوارٹر چھپن پور۔ مدھیہ پردیش

اردو میں سکھوں کا حصہ

میں "اردو میں سکھوں کا حصہ" کے عنوان سے اردو میں تمام سکھ شعرا اور ادیبوں پر جامع اور مبسوط کتاب تیار کر رہا ہوں، سکھ شعرا اور ادیبوں سے درخواست ہے کہ وہ اپنا کلام اور مختصر سوانح جلد از جلد ارسال فرما کر ممنون کریں۔

(امام مرتضیٰ نقوی، انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز پنچکوئیاں روڈ، نئی دہلی ۱)

یہ قول کس کا ہے؟

(۱) الشعراء تلامیذ الرحمٰن۔ عربی زبان کا یہ مشہور مقولہ کس کا ہے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ حدیث اگر یہ خیال درست ہے تو حدیث کے کس مجموعہ میں، اسے تلاش کیا جائے مکمل حوالہ باعث تشکر ہوگا۔

یہ قطعہ کس کا ہے؟

(۲) در شعر سہ کس پیمبرانند | ہر چند کہ لا نبی بعدی
ابیات و قصیدہ و غزل را | فردوسی و انوری و سعدی

فردوسی، انوری اور سعدی کے سلسلہ میں اکثر یہ قطعہ نقل کیا جاتا ہے لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ قطعہ کس شاعر کا ہے۔ اس سلسلہ میں فارسی ادب کی مشہور و معروف تاریخوں سے رجوع کیا گیا، لیکن یہ قطعہ تو اکثروں نے نقل کیا ہے لیکن شاعر کا نام کسی نے بھی نہیں بتایا ہے کوئی صاحب نشاندہی فرما سکیں تو کرم ہوگا۔

(سید عباز الدین رفعت، میسور)

شکنتلا ڈرامہ

مولانا عبدالحلیم شرر نے ایک ڈرامہ شکنتلا لکھا تھا لیکن وہ کہیں مل نہیں سکا، یہ ڈرامہ کسی انگریزی ایڈیشن کا ترجمہ ہے یا مولانا کا طبعزاد ڈرامہ ہے محض نام کی یکسانیت کی وجہ سے کالیداس کے ڈرامہ کی طرف ذہن منتقل ہو رہا ہے اور یہ کس سن میں شایع ہوا ہے۔ جن حضرات کو کچھ علم ہو ان سے گذارش ہے کہ بذریعہ ہماری زبان یا براہ راست معلومات فراہم کرنے کی زحمت گوارا کریں۔

(شریف الحسن عثمانی، ۱۱۷، اولڈ گنیش گنج لکھنؤ۔ ۱)

دکن کی نثری داستانیں

میں دکن کی نثری داستانوں پر تحقیقی کام کر رہی ہوں، اس سلسلے میں واقف کار حضرات مندرجہ ذیل امور سے مطلع فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

(۱) کیا سینٹ جارج کتب خانہ مدراس کی کتابوں کا کوئی کیٹلاگ کسی مستشرق نے شایع کیا؟

(۲) دکنی کتابوں کا ذخیرہ میسور، جامع مسجد بمبئی، انجمن ترقی اردو علی گڑھ کے علاوہ اور کہاں دستیاب ہو سکتا ہے۔

(فرزانہ حمید)

ہندوستان کے شعراء سے گذارش

میں ہندوستان بھر کے تمام موجودہ شعراء کا مختصر تعارف کتابی شکل میں ترتیب دینا چاہتا ہوں۔ اس تعارف میں ہندوستان کے تمام اردو شعراء کے نام مکمل پتے۔ عمر، مشاغل، استاد کا نام۔ خود استاد ہوں تو تلامذہ کی تعداد۔ اور مصنف بھی ہوں تو کتابیں کس نام سے کس موضوع پر کب شایع ہو چکی ہیں یا ہونے والی ہیں وغیرہ باتوں کا مختصر ذکر ہوگا۔ میری کوشش ہے کہ اس تعارف میں تمام موجودہ (ہندوستانی شعراء) مبتدی ہوں یا کہنہ مشق شامل ہو سکیں اس لیے میری تمام شعراء ہند سے بہت مودبانہ گذارش ہے کہ وہ ایک پوسٹ کارڈ کے ذریعہ مذکورہ بالا تفصیلات سے مجھے آگاہ فرما کر ممنون فرمائیں بزرگ اساتذہ کے تلامذہ سے درخواست ہے کہ اپنے ساتھ اپنے استاد کے متعلق بھی مطلوبہ تفصیلات فراہم فرما کر، تعاون فرمائیں۔ امید ہے تمام شعراء کرام توجہ فرمائیں گے اور اس اہم کام میں مجھ سے تعاون فرمائیں گے۔

قمر سنبھلی ۱۵۳۸ نئی سڑک دہلی

انجمن ترقی اردو بیرن پور کی خبریں

بیرن پور میں یوم اقبال :۔

بیرن پور میں مشہور شاعر علامہ اقبال کی برسی بڑے تزک و احتشام سے مقامی "بزم جمال" انجمن ترقی اردو کے زیر اہتمام ۲۱ اپریل ۱۹۶۸ء کی شام میں زیر صدارت جناب سریندر سوختن ایڈیٹر بن پھول منائی گئی۔ "بزم جمال" انجمن ترقی اردو کے جنرل سکریٹری جناب کمال الدین صدیقی نے اپنا مضمون بعنوان "اقبال کا فلسفۂ شاہین" پڑھا۔ جناب ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے اپنا مضمون بعنوان "اقبال کی غزلوں کی خصوصیات" پڑھا۔ اس کے بعد مشاعرے کا آغاز ہوا جس میں جناب کمال صدیقی، سریندر سوختن، جناب اکیلا بہاری، قیوم تم، شمس مائل کے علاوہ دیگر شعراء نے بھی حصہ لیا۔ جناب سریندر سوختن نے اپنی صدارتی تقریر میں اقبال کو خراج عقیدت پیش کیا۔ آخر میں جناب کمال الدین صدیقی کے شکریے کے ساتھ نشست برخواست ہوئی۔

بزم جمال کی خصوصی نشست :۔

"بزم جمال" انجمن ترقی اردو، بیرن پور کی ایک خصوصی نشست بر ہروا میں جناب مولانا شمس مائل کے دولتکدے پر منعقد ہوئی مقامی ہندی و اردو کے شعراء میں جناب اوستھی، اکیلا، بہاری اور شمس مائل نے شرکت کی۔ "بزم جمال" انجمن ترقی اردو کے جنرل سکریٹری جناب کمال الدین صدیقی مہمان خصوصی کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ نشست کی صدارت جناب اوستھی نے کی۔ تمام ہندی و اردو کے شعراء نے حاضرین کو اپنے کلام سے محظوظ فرمایا۔

جامعہ اردو کے مرکز کا قیام :۔

یہاں کی مقامی انجمن ترقی اردو کی ایک نشست جناب مولانا شرافت اللہ کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ انجمن کے جنرل سکریٹری جناب کمال الدین صدیقی نے جامعہ اردو علی گڑھ کے امتحانات کی اہمیت بتائی اور زور ڈالا کہ بیرن پور میں جامعہ اردو علی گڑھ کے امتحانات کا ایک مرکز قائم کیا جائے تاکہ اردو کے شیدائی جامعہ اردو کے مختلف امتحانات میں شریک ہو سکیں اور اردو کے کاز کو تقویت بخش سکیں۔ اس سلسلے میں بالاتفاق رائے سے یہ تجویز منظور ہوئی اور جامعہ اردو کے مرکز کے سلسلے کی تمام کارروائی کا مجاز جناب کمال الدین صدیقی کو دیا گیا۔

پاکوڑ میں "یوم اقبال" :۔

پاکوڑ میں انجمن ترقی اردو کے زیر اہتمام شاعر مشرق علامہ اقبال کی برسی ۲۲ اپریل ۱۹۶۸ء کو مقامی وشفائنڈ ایریا کمیٹی ہال میں زیر صدارت جناب سید جعفر علی۔ ممبر وشفائنڈ ایریا کمیٹی منعقد ہوئی۔ جناب کمال الدین صدیقی جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو، بیرن پور بحیثیت مہمان خصوصی شریک ہوئے۔ جناب کمال الدین صدیقی، اشتیاق علی شاہد، شوکت علی، جلیل رمزی اور دیگر حضرات نے اقبال کی شاعری کے پہلو پر مختلف عنوانات کے تحت اپنے مضامین پڑھے۔ اس کے بعد مشاعرے کا آغاز ہوا۔ جناب مشتاق علی شاہد، جلیل رمزی اور کمال صدیقی صاحبان نے حاضرین کو اپنے کلام سے نوازا۔ آخر میں صدر موصوف کی تقریر کے بعد نشست برخواست ہوئی۔

(کمال الدین صدیقی بیرن پور و پاکوڑ)

انجمن ترقی اردو "آندھرا پردیش" کی جانب سے اردو ہفتہ کا پروگرام

انجمن ترقی اردو کے پچھلے سالانہ اجتماع منعقدہ جنوری ۱۹۶۸ء میں طے پایا تھا کہ اردو والوں کے مطالبات کو تقویت پہنچانے کے لئے نیز اس تعلق سے رائے عامہ کو ہموار کرنے کی خاطر ایک اردو ہفتہ منایا جائے تاکہ ہماری ریاست میں قانونی طور پر اردو کو اس کا جائز مقام مل سکے۔

اس سلسلے میں انجمن نے طے کیا ہے کہ ۲۵ مئی سے ۳۱ مئی ۱۹۶۸ء کے دوران میں کسی بھی ایک دن "یوم اردو" منایا جائے "یوم اردو" کے دن خاص طور پر اس بات کا خیال رکھا جائے کہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں تلگو اور دوسری زبانیں بولنے والے بھائیوں کی بھی ہمدردی حاصل کی جائے تاکہ وہ اردو کے جائز مطالبے کی تائید کر سکیں۔ اس تعلق سے اگر ریاستی انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کو قبل از قبل اطلاع دی جائے تو وہ کوشش کرے گی کہ آپ کے منعقد ہونے والے اجتماع میں اپنے کسی نمائندے کو بھیجے۔ جلسہ میں جو قرار داد منظور کی جائے گی اس کا مسودہ بھی روانہ کیا جائے گا۔ (حبیب الرحمٰن معتمد عمومی)

انجمن کی شاخ بنیا پوکھر کلکتہ کا غالب انعامی مقابلہ

انجمن ترقی اردو ہند، شاخ بنیا پوکھر کے زیر اہتمام "بطور یادگار غالب" انتخاب اشعار غالب کا ایک انعامی مقابلہ عمل میں آیا، جس میں کلکتہ کے کالجوں کے طلبہ اور طالبات نے ایک بڑی تعداد میں حصہ لیا۔ مقابلے کا نتیجہ درج ذیل ہے :۔ اوّل جناب محمد عارف صاحب رول نمبر ۱۳ سکنڈ ایئر بی۔ اے (آرٹس) مولانا آزاد کالج۔ دوم محترمہ ... صاحبہ رول نمبر ۳۹ پی۔ یو (آرٹس) خضر پور کالج۔ سوم جناب محمد صہیب صاحب رول نمبر ۱۸ تھرڈ ایئر بی۔ اے۔ سی، ایوننگ سکشن سریندر ناتھ کالج (ادریس انور جنرل سکریٹری)

صدر جمہوریہ کی سالگرہ پر صحیفۂ سپاس

نئی دہلی:۔ صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین نے موجودہ ملک کی کشتی کو صحیح و سلامت نکال کر لے جانے سے متعلق ہندوستان کی صلاحیت پر اعتماد کا اظہار کیا انھوں نے کہا کہ ملک کے تئیں عوام کی وفاداری کو متاثر کرنے کے لئے زبان پرست فرقہ پرست اور علاقہ پرست تخریبی قوتیں زور لگا رہی ہیں۔ صدر جمہوریہ عالموں کے اجتماع سے خطاب کر رہے تھے۔ یہ علماء صدر جمہوریہ کو ایک "صحیفۂ سپاس" پیش کرنے کے لئے ان کی سرکاری رہائش گاہ "راشٹرپتی بھون" میں جمع ہوئے تھے صحیفۂ سپاس ڈاکٹر ذاکر حسین کی ۷۰ ویں سالگرہ کے موقع کے لیے تیار ہوا تھا۔ بارہ سو صفحات کی کتاب کو دو ایڈیشنوں میں بانٹ دیا گیا ہے ایک ایڈیشن اردو میں ہے اور دوسرا انگریزی میں یہ کتاب ہندوستان اور بیرونی ممالک کے عالموں اور ماہرین تعلیم کے مضامین پر مشتمل ہے جس میں ڈاکٹر ذاکر حسین کی شخصیت کے مختلف گوشے اجاگر کئے گئے ہیں انجمن ترقی اردو (ہند) کے صدر پنڈت ہردے ناتھ کنزرو کمیٹی ڈاکٹر ۔ کی جانب سے جسے ایک سال پہلے قائم کیا گیا تھا۔ صحیفۂ سپاس پیش کیا۔ (سیاست)

حکومت یوپی کی طرف سے اردو میں خبر رسانی کے نوٹس شائع کرنے کا فیصلہ

لکھنؤ:۔ حکومت اترپردیش نے فیصلہ کیا ہے کہ ریاست میں جن تحصیلوں میں اردو بولنے والوں کی تعداد کل آبادی کا پندرہ فیصد یا اس سے زیادہ ہوگی وہاں داخل خارج کے مشتہری اشتہار ہندی کے علاوہ اردو میں بھی دئے جائیں گے اب تک یہ مشتہری صرف ہندی میں ہوتی تھی ریاست کے بارہ ضلعوں میں ۳۲ ایسی تحصیلیں سرکاری اعداد و شمار کے بموجب ہیں جہاں اردو بولنے والوں کی تعداد پندرہ فیصدی یا اس سے زیادہ ہے وہ تحصیلیں یہ ہیں۔

ضلع بجنور:۔ نجیب آباد، بجنور، نگینہ اور دھامپور۔

ضلع مرادآباد:۔ حسن پور، سنبھل، امروہہ، ٹھاکردوارہ، مرادآباد اور بلاری۔

ضلع رامپور:۔ سوار ملا سپور، رامپور، اور شاہ آباد۔

ضلع پیلی بھیت:۔ پیلی بھیت اور پورن پور۔

ضلع بریلی:۔ بھیڑی اور بریلی

ضلع سہارنپور:۔ سہارنپور، نکڑ اور رڑکی۔

ضلع مظفر نگر:۔ کیرانہ اور مظفر نگر

ضلع میرٹھ:۔ سردھنا، سوانا اور ہاپوڑ۔

ضلع بہرائچ:۔ نان پورہ

ضلع گونڈہ:۔ بلرام پور اور اترولہ

ضلع بارہ بنکی:۔ فتح پور

ضلع بستی:۔ ڈومریا گنج اور دوگڑہ

سیفیہ کالج میں اردو ایم اے کا کلاس کھل رہا ہے

بھوپال ۳ مئی:۔ معلوم ہوا ہے کہ سیفیہ ڈگری کالج بھوپال میں نئے تعلیمی سال سے اردو ایم۔ اے کا کلاس کھلنے والا ہے۔ سیفیہ ایجوکیشنل سوسائٹی نے اپنے حالیہ جلسہ میں یہ فیصلہ کیا ہے۔

سیفیہ کالج بھوپال کا پرائیویٹ کالج ہے جس میں اردو ایم اے کا کلاس کھل رہا ہے۔ قبل ازیں سیفیہ کالج میں انگلش، اکنامکس اور فارسی کے ایم۔ اے اور ایم کام اور ایل ایل بی کے کلاسیز کھل چکے ہیں۔ پولیٹیکل سائنس میں بھی ایم۔ اے کلاس کھلنے کی توقع ہے۔

اردو حلقوں میں ایم اے اردو کلاس کھلنے کی خبر سے مسرت کی لہر دوڑ گئی ہے۔ سیفیہ کالج کا شعبہ اردو گذشتہ کئی سال سے نہایت مستعدی محنت اور کوشش کے ساتھ نمایاں خدمات انجام دے رہا ہے ایم۔ اے کھلنے سے اس شعبے کے اور زیادہ ترقی کے امکانات ہیں۔ اس سلسلہ میں کالج کے سکریٹری جناب فخرالدین اور شعبۂ اردو کے انچارج پروفیسر عبدالقوی دسنوی کی خدمات قابل قدر ہیں۔ واضح رہے کہ بھوپال کے گورنمنٹ حمیدیہ کالج میں کئی سال قبل سے ایم۔ اے میں اردو کے کلاسیز کھل چکے ہیں اور مہارانی لکشمی بائی گرلس کالج میں گذشتہ سال سے اردو ایم۔ اے کھل چکا ہے۔ (افکار)

اردو میں حلف برداری

نئی دہلی:۔ راجیہ سبھا کی رکنیت کا حلف آج ۶۸ ممبروں نے لیا وہ یا تو حال ہی میں منتخب ہوئے ہیں یا صدر نے ان کو نامزد کیا۔ حلف لینے کے لیے ممبروں نے ہندی، انگریزی، تامل، مراٹھی، ملایالم، کنڑ، سنسکرت، اڑیہ اور اردو کا استعمال کیا۔

لسانی اقلیتوں کے کمشنر کی رپورٹ

نئی دہلی ۹ مئی:۔ لسانی اقلیتوں سے متعلق کمشنر نے اپنی آٹھویں رپورٹ میں جو راجیہ سبھا میں پیش کی گئی بتایا ہے کہ ریاستی حکومتوں کو لسانی اقلیتوں کی شکایات پر فوراً کارروائی کرنا چاہئے۔ کمشنر جناب مارا گاتھم چندر شیکھر نے رپورٹ میں بتایا ہے کہ کئی معاملات میں ایسا ہوا کہ لسانی اقلیتوں کی شکایات اور ان پر ریاستی حکومتوں کے فیصلوں کے درمیان وقت کا بہت فرق واقع ہوا جس سے اقلیتی لسانی گروپوں کے ذہنوں میں مایوسی کا احساس پیدا ہوا۔ فوری کارروائی کی راہ میں آنے والی کسی بھی رکاوٹ کو گروپوں کے مابین باہمی مفاہمت کو فروغ دینے نیز قومی یکجہتی کو بڑھاوا دینے کے مفاد میں ہٹا دینا چاہیے رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ رفتہ رفتہ لسانی اقلیتوں کو اپنے حقوق کا نیز ریاست و ملک کے سلسلہ میں اپنے

فرائض کا شعور پیدا ہو رہا ہے۔ اسی طرح اکثریتی لسانی گروپ بھی ریاست کی ہمہ گیر ترقی کے لئے اقلیتوں کو ساتھ لے کر چلنے کی ضرورت کے بارے میں زیادہ سے زیادہ احساس کرنے لگے ہیں۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ تعلیم کے میدان سرکاری مقاصد کے لیے اقلیتی زبانوں کے استعمال اور ریاستی ملازمتوں میں بھرتی کے معاملے میں لسانی اقلیتوں کو دیے جانے والے تحفظات کو جامۂ عمل پہنانے میں کس قدر پیش قدمی ہوئی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ ابتدائی تعلیم کے سلسلے میں پنجاب کی حکومت نے تحفظات کے بارے میں ہدایتیں ساری ریاست میں متفقہ اسکیم کے مطابق نہیں دی ہیں۔ کمیشن نے افسوس کے ساتھ یہ بات تحریر کی ہے کہ حکومت آسام نے ۱۹۶۲ء میں کی جانے والی اس شکایت پر اپنا تبصرہ نہیں بھیجا ہے کہ لسانی اقلیتوں کے لئے قائم ۱۱۶ اسکولوں کو سرکاری گرانٹ نہیں مل رہی ہے۔ (سیاست)

حکومت پنجاب کا اردو میں اشتہارات شائع کرنے کا فیصلہ

چنڈی گڑھ ۴ مئی: پنجاب میں ۱۳ اپریل سے گورمکھی رسم الخط میں پنجابی زبان رائج ہو جانے سے صوبائی حکومت نے اخباروں کو اشتہارات دینے کی پالیسی بدل لی ہے اور فیصلہ کیا ہے کہ ۳۰ فیصدی اشتہار انگریزی اخباروں کو، ۴۰ فیصدی پنجابی اخباروں کو اور پندرہ پندرہ فیصدی اشتہار ہندی اور اردو اخباروں کو دیئے جائیں گے۔ حکومت پنجاب نے یہ بھی طے کیا ہے کہ پنجابی اخباروں کی حوصلہ افزائی کے لئے خاص ضمیمے پنجابی اخباروں میں شائع ہونے چاہئیں بشرطیکہ انگریزی اخباروں میں ان کی اشاعت ضروری نہ ہو۔ (سیاست)

لسانی مسئلے کا واحد حل سہ لسانی فارمولے کا نفاذ

نئی دہلی ۵: نائب وزیر اعظم جناب مرارجی ڈیسائی نے کہا کہ "لسانی مسئلے کا واحد حل سہ لسانی فارمولا ہے۔" دہلی سے شائع ہونے والے تامل ماہنامہ "کنگائی امیزیہی" کو انٹرویو دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ عوام کے جذبات ایک انتہا پر پہنچ کر گھٹنا شروع ہو جاتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ دس سال میں یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اور تمام ریاستوں کو بلا کسی تخصیص کے سہ لسانی فارمولا نافذ کرنا ہوگا۔ لسانی مسئلہ پر انتہا پسندی کے نظریہ کی مذمت کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ کچھ کانگریس میڈیر تک اس انتہا پسندی کا شکار ہیں۔ انھوں نے کہا کہ مدراس میں بھی بہت سے ایسے لوگ ہیں جو مرکز کی لسانی پالیسی سے متفق تھے اور انھوں نے کسی اختلاف کا اظہار نہیں کیا وہ جانتے ہیں کہ یہ پالیسی ان کے خلاف نہیں ہے۔

انھوں نے کہا کہ "ملک میں ایک تخریبی فضا اندر ہی اندر پنپ رہی ہے جو اکثر فرقہ واریت اور فرقہ وارانہ فسادات کی شکل میں سامنے آتی ہے ہم ان عناصر سے لڑ رہے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ ہم اس میں کامیاب ہوں گے۔ (قومی آواز)

مجلس اردو بھوپال کی ادبی نشست

بھوپال ۴ مئی: شعری بھوپالی ایک مشہور شاعر ہیں چنانچہ ابھی حال میں شعری بھوپالی کی ادبی خدمات کے اعتراف میں مجلس اردو بھوپال نے ایک جلسہ میں انھیں "تاج الشعرا" کا خطاب پیش کیا۔ اس جلسہ کی صدارت انجمن ترقی اردو شہر بھوپال کے صدر جناب ایم عرفان نے کی۔ جلسہ میں انجمن ترقی اردو بھوپال کے سکریٹری جناب آفاق احمد نے شعری بھوپالی کی شاعری پر جامع تبصرہ کیا۔ اس کے بعد ایک مشاعرہ ہوا جس میں مندرجہ ذیل شعراء نے اپنا کلام سنایا۔

تاج الشعراء حضرت شعری بھوپالی، حضرت گوہر جلالی، مولانا کشش بھوپالی، عرش صدیقی، جناب مقصود عرفان، جناب شاہد بھوپالی، جناب ظفر نسیمی، مرتضیٰ علی شاد، عشرت قادری، کامل بہزادی، رضا صدیقی، نور محمد قمر، نجیب راشی، عبدالمتین نیاز، رشید انور، عبدالمجید درد، نصرت صدیقی، ذوقی بھوپالی، ظفر صہبائی، سرفراز دانش، سنتوش سنگھ انجم، مسعود رضا، ثنا بھوپالی، حافظ ابا سکھی، مسعود ہاشمی، شفیق عالم، اسحاق ادیب، سلیم قریشی عارف۔

(اسحاق ادیب سکریٹری)

باقی صفحہ ۸ سے آگے

ان پڑھ آندھی گھس پڑتی ہے توڑ کے پھاٹک جاڑوں کے
"اندر آنا منع ہے" لکھ کر لٹکانے سے حاصل کیا
ٹوٹی دھنک کے ٹکڑے لے کر بادل روتے پھرتے ہیں
کینچا تانی میں رنگوں کی سورج بھی ہے شامل کیا

ابھی دو ایک ماہ پہلے کسی رسالے میں یہ اعلان نظر سے گزرا تھا کہ پرویز کا نیا مجموعۂ کلام "تثلیث حیات" کے نام سے شائع ہونے والا ہے۔ اس مجموعے کی اشاعت ہم سب پر قرض ہے۔

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، مدیر پروفیسر ظہیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپایا اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے شائع کیا